© rasailojaraid.com

حکومت سے قرض لینے کے مسئلہ کا ایک فقہی جائزہ

از: مولوی محمد برہان الدین سنبھلی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مورخہ ۵ ارمئی ۱۹۷۱ء کو مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء کے اجلاس کی پہلی نشست میں یہ "مقالہ" پڑھا گیا جسے چند (ی) ترمیموں کے بعد بسم اللہ، غیر مقدمی کلمات، تمہیدی جلسوں اور مجلس کی مختصر سرگذشت سے متعلق بعض حصوں کو حذف کرکے یہاں پیش کیا جارہا ہے۔ اس کی اشاعت کی ایک غرض یہ ہے کہ علماء غور وفکر کرکے اس مسئلہ کا حل پیش کریں۔ جو یہاں ہندوستان میں خاص طور سے مسلمانوں کی گویا موت وزیست کا مسئلہ بن گیا ہے۔ اس میں سوچنے کی کچھ بنیادیں فراہم کردی گئی ہیں، اور جو الجھنیں ہیں انہیں بھی پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ مدت کے بعد آج پھر اس کا موقع ملا کہ خیار امت جمع ہوں اور نخبۂ علماء اکٹھا ہوکر زمانہ کے اس چیلنج کا مقابلہ کریں جو آج تمام مذاہب بالخصوص اسلام کو درپیش ہے یعنی عصری مسائل کا حل پیش کرکے عملی شہادت دی جائے کہ اسلام "دینِ خالد" ہے اور ہر زمانہ میں رہنمائی کرنے کی اس میں صلاحیت موجود ہے۔

مرسلہ سوالنامہ[1] کے ذریعہ آج کی مجلس کا موضوع بحث (حکومت سے سود پر قرض لینے کا

---

[1] ارکانِ مجلس" کی خدمت میں پہلے ایک سوالنامہ بھیجا گیا تھا، اس میں مسئلہ کے (باقی ص ۱۶۹ پر دیکھئے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسئلہ) تو معلوم ہی ہو چکا ہے۔ موضوع کی نزاکت و اہمیت کے بارے میں آپ جیسے ذی علم اور باخبر حضرات کے سامنے کچھ کہنا، سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ اسی طرح "ربوٰ" کی شناعت اور عام مسلمانوں کی فلاکت بھی محتاج بیاں نہیں۔

تاہم چند معروضات، جن کی حیثیت سوالنامہ کے اشارات کی توضیح اور اسی میں اٹھائے گئے مباحث کی تشریح کی ہے۔ اسی کے ساتھ ہی اپنے محدود مطالعہ پر مبنی کچھ خیالات سوالیہ انداز میں، اختصار کے ساتھ پیش کرنے کی جسارت کروں گا اور اس کے لئے باادب اجازت چاہوں گا!

موقر حضرات! زیر بحث مسئلہ اس اعتبار سے نازک تر بن گیا ہے کہ ایک طرف تو یہ بات ہے کہ حکومت سے قرض لینے کے معنی بظاہر سود کا معاملہ کرنے اور "ربوٰ" کے جرم میں ملوث ہونے کے ہیں۔ کیوں کہ عام طور کتبِ فقہ میں "ربوٰ" کی جو تعریفیں کی گئی ہیں وہ اس معاملہ پر بظاہر صادق آتی نظر آرہی ہیں۔ مثلاً علامہ برہان الدینؒ مرغینانی نے "ربوٰ" کی تعریف اس طرح کی ہے:-

هو الفضل المستحق لاحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوض شرط فيه[1]

عنایہ شرح ہدایہ میں اکمل الدین محمد البابرتی نے ان الفاظ میں تعریفِ "ربوٰ" بیان کی ہے:-

هو الفضل الخالي عن العوض المشروط[2]

(باقی ص۱۶۸ کا) پہلوؤں کو نمایاں کر دیا گیا تھا تاکہ غور کرنے میں آسانی ہو لیکن اس "جائزہ" سے ہی قارئین کو سوالنامہ میں اٹھائے گئے سوالات کا کچھ اندازہ ہو جائے گا۔ اس طرح سوالنامہ نہ پڑھنے کی فی الجملہ تلافی ہو جائے گی اور ایک حد تک اس کے مشتملات کا علم بھی ہو جائے گا، انشاء اللہ تعالیٰ

[1] ہدایہ ثالث ص۶۱ [2] عنایہ برحاشیہ فتح ص ۴،۲۷۴،۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے علاوہ دیگر کتب معتبرہ میں اس کا حکم جس سے ربٰو کی حقیقت بھی معلوم ہو جاتی ہے بایں الفاظ بیان ہوا ہے:

كل قرض جر نفعا حرام إذا كان مشروطا ؎۱

ربٰو کی ملعونیت اور عند اللہ اس کی مغضوبیت، ایک اظہر من الشمس حقیقت ہے۔ اس سے زیادہ کھیانک بات اور کیا ہو گی؟ کہ سود لینا، اللہ تعالیٰ سے گویا جنگ کرنے کے مساوی بنایا گیا اور اس معاملے کے بارے میں قرآن مجید میں وہ آیت نازل ہوئی جسے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ (دیگر امور پر مسلمانوں کے لئے) شدید تر اور نہایت خوفناک آیت کہا کرتے تھے جیسا کہ تفسیر مدارک میں ہے:

كان أبو حنيفة يقول هي أخوف آية في القرآن حيث أوعد الله المؤمنين بالنار المعدة للكافرين إن لم يتقوه ؎۲

نیز احادیث مقدسہ (علی صاحبہا التحیۃ) میں محض "ربٰو" ہی نہیں، اس کے شبہہ تک سے بچنے کی ہدایات کی گئی ہیں، چنانچہ قانون شریعت کے اندر مذکورہ اسباب کی بنا پر ممانعت ربٰو کے (الفاظ میں) یہ مستقل اصل قرار پائی "شبهة الربا مانعة كحقيقة الربوٰ"

محقق ابن ہمام نے اس پر "بالاجماع على منع بيع الأموال الربوية مجازفة ولو ظن التساوي ؎۳" کا اضافہ کر کے جہاں یہ بتایا کہ احتمال ربٰو رکھنے والی بیع بالاتفاق ممنوع ہے وہاں اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ اس حقیقت کو بھی بے نقاب کرنا چاہا ہے کہ صرف احناف کے یہاں نہیں بلکہ تمام مکاتب فقہ میں یہ تسلیم شدہ اصل ہے، قواعد شریعت کو سامنے رکھنے کے بعد فقہاء

؎۱ اشباہ بحوالہ درمختار و شامی ص ۱۷۴ ج ۴ ؎۲ مدارک برحاشیہ خازن ص ۲۶۶ ج ۱

؎۳ فتح القدیر ص ۱۸۰ ج ۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرام رحمہم اللہ کے بیان کردہ جزئیات دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان حضرات نے کس درجہ اس کا اہتمام کیا ہے کہ معاملات میں "ربوٰ" کا شائبہ بھی نہ آنے پائے، یہاں ان جزئیات کا استیعاب مقصود نہیں اور نہ یہ کام آسان ہی ہے۔ مگر بات کو واضح کرنے کے لئے ایک دو مثالوں کا پیش کر دینا شاید بے محل نہ ہوگا۔

حنفی فقہ کی شہرۂ آفاق کتاب "ردالمحتار" کے اندر "شراء الشیء الیسیر بثمن غالٍ لحاجة القرض" کے بارے میں شمس الائمہ حلوانی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے "انہ حرام"[1]

صاحب درمختار نے ایک قابل تشریح اور نہایت ناپسندیدہ معاملہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: "اقبح من ذلک السلم ان بعض القری قد خربت بهذا" ابن عابدین نے اس مسئلہ کی تشریح بایں طور کی ہے: "ای بفعله بعض الناس من دفع دراهم سلماً علی حنطة او نحوها الی اهل القری حیث یؤدی ذلک الی خراب القریة"[2]

حاملہ زبوں شناخت اسلام کی سنگینی کا اندازہ کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ دارالاسلام میں غیر مسلموں کو بھی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے کہ وہ سودی لین دین آپس میں بھی کر سکیں۔ حالانکہ اس مسئلہ خاص کے علاوہ دیگر امور میں "دَعْهُمْ وَمَا يَدِيْنُوْنَ" کی پالیسی اختیار کی جاتی ہے۔

دوسری طرف مسلمانوں کی زبوں حالی اور ذلت و نکبت کی حد تک پہنچا ہوا ان کا افلاس ہے جسے دور کرنے کی بظاہر اس کے علاوہ اور کوئی سبیل نظر نہیں آتی کہ حکومت کے سامنے دست سوال دراز کیا جائے، بلکہ یہ کہنا شاید زیادہ صحیح ہو کہ

ریاست ۔ (جس کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام باشندوں کو ان کی ابتدائی ضروریات فراہم کرنے کا انتظام کرے) سے مدد لی جائے۔ بالفاظ دیگر اپنا حق مانگا جائے مگر اس مدد یا حق

---

[1] شامی ص ۱۷۵ ج ۴ مطبوعہ نعمانیہ دیوبند - [2] ردالمحتار ص ۱۷۶ ج ۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے وصول کرنے کی شکل اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے کہ امداد کے نام پہلی ہوئی رقم کو بھی مع شئی مع شئ اٹلہ (مقرر کی ہوئی شروط و شیوع کے مطابق) واپس کیا جائے مگر یہی وہ صورت ہے جس پر "ربٰو" کا اطلاق ظاہری طور پر درست نظر آتا ہے جو بہر حال ایک مسلمان کے لئے نہایت قبیح بلکہ خبیث چیز ہے۔

یہی وہ گتھی ہے جسے سلجھانا ہے، کیوں کہ اس کے بغیر آج کل زندگی کی گاڑی کا چلنا دشوار بلکہ ناممکن نظر آرہا ہے۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے بعض علماء نے ــــ جن کے اخلاصِ نیت میں شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ــــ فقہاء کی ان عبارتوں کا سہارا لیا ہے جن سے بظاہر ناگویز قسم کی ضرورتوں میں اس نوع کے بعض معاملات کی گنجائش نظر آتی ہے۔

مثلاً ممتاز فقیہ زین العابدین ابن نجیم المصری کی مشہور کتاب "الاشباہ والنظائر" کا نہایت معروف فقرہ "الضرورات تبیح المحظورات"[1] بار بار (بطور استدلال) پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح کتاب مذکور کی اس سے بھی زیادہ تعجب خیز صراحت "یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح"[2] اول وہلہ میں چونکا دینے والی ہے۔ اس سے استدلال کر کے موجودہ مسائل کے بارے میں رائے قائم کرنا مستبعد نہیں معلوم ہوتا لیکن تھوڑی دیر کے لئے اس بحث کو نظر انداز بھی کر دیا جائے کہ نصوصِ صریحہ کے مقابلہ میں کسی فرد یا جماعت کے اقوال کو اہمیت دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ تب بھی امعانِ نظر سے کام لینے والا اور ان ہی عبارتوں کو جن سے بظاہر جواز معلوم ہو رہا ہے، سیاق و سباق سے ملا کر پڑھنے، نیز ان کے ساتھ دوسرے ماخذ پر نگاہ ڈال لینے کے بعد ان استدلالوں کی حقیقت "سراب" سے زیادہ نہیں رہ جاتی، ساتھ ہی یہ بات بھی روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ان عبارتوں سے جو کچھ سمجھا جا رہا ہے وہ ان کا حقیقی مفہوم نہیں ہے اور واقعۃً یہ نصوص سے معارض نہیں بلکہ ان کی شارح ہیں۔

---

[1] الاشباہ ص ۱۲۱ مطبع نظامیہ۔ [2] ایضاً ص ۱۲۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلاف "الضرورات تبیح المحظورات" میں لفظ "الضرورات" کا مصداق معلوم ہو جانے کے بعد اس عبارت میں کوئی ندرت نہیں رہ جاتی۔ خود ابن نجیمؒ نے اس قاعدہ کی جو مثال پیش کی ہے اس سے بھی ان کا منشا سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔ "ومن ثمّ جاز اکل المیتة عند المخمصة" [1]

علاوہ ازیں اس کتاب کے شارح، ممتاز فقیہ سید احمدؒ الحموی نے "ضرورۃ" کی جو تعریف بیان کی ہے اس کے بعد کوئی الجھن باقی ہی نہیں رہتی۔ فرماتے ہیں:۔

"فالضرورۃ بلوغہ حدا ان لم یتناول الممنوع ھلک او قارب وھذا یبیح تناول الحرام" [2]

غور فرمایئے! مذکورہ عبارت کا مفہوم آیت قرآنی میں بیان کردہ حکم "فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ" سے کیا کچھ بھی مختلف ہے؟۔ ہاں! اس سے کمتر درجہ کی کچھ ضرورتوں کو یہی مقام دے کر ان کی بنا پر بھی بعض ممنوعات کے ارتکاب کی اجازت دے دی جاتی ہے۔

اصطلاحِ فقہ میں اس کو "حاجۃ" کا نام دیا گیا ہے: "اشباہ" میں یہ لکھا ہے "الحاجۃ تنزل منزلۃ الضرورۃ" [3]

مگر "حاجۃ" کی جو تعریف فقہاء نے ذکر کی ہے اسے سامنے رکھا جائے تو زیر بحث موضوع پر استدلال کی گنجائش پھر بھی نظر نہیں آتی، حاجۃ کی صاحب در مختار نے کتاب الزکوۃ میں حسب ذیل تفسیر نقل کی ہے:

"ما یدفع عنہ الھلاک تحقیقا کثیابہ او تقدیرا کدینہ" اس کی مزید تشریح شامی فقیہ نے اس طرح کی ہے:۔ ھی ما یدفع الھلاک عن الانسان تحقیقا کالنفقۃ ودور السکنیٰ

---

[1] الاشباہ ص۱۲۱ [2] الحموی علی الاشباہ ص۱۲۲ [3] الاشباہ ص۱۲۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وآلات الحروب والثیاب المحتاج الیھا لدفع الحر والبرد او تقدیرا کالدین فان المدیون محتاج الی قضائہ دفعا عن نفسہٖ کالھلاک ؎۱

یہاں یہ وضاحت بھی غالباً بے معنی نہ ہوگی کہ "حاجۃ" کی مذکورہ تعریف، وجوب زکوٰۃ کے مواقع بیان کرتے ہوئے ذکر کی گئی ہے، جہاں نسبتہً سہولت اختیار کی جاسکتی ہے۔ لیکن "ربٰو" جو منہیات کے قبیل سے ہے اس میں سختی کچھ زیادہ ہی ہوگی۔ "لان اعتناء الشرع بالمنھیات اشد من اعتنائہ بالمامورات ومن ثمہ جاز ترک الواجب دفعا للمشقۃ ولم یسامح فی الاقدام علی المنھیات" ؎۲

ان امور کے بعد آگے بڑھنے سے پہلے حمویؒ کے چند جملے اور سن لیجئے!: "الحاجۃ کالجائع الذی لولم یجد ما یاکلہ لم یھلک غیر انہ یکون فی جھد ومشقۃ وھذا لا یبیح الحرام ویبیح الفطر فی الصوم" ؎۳

تو اب غور طلب بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی زبوں حالی کیا اس درجہ کو پہنچ گئی ہے جسے "ضرورۃ" یا کم از کم "حاجۃ" کا نام دیا جاسکے؟۔ یہی وہ کلید ہے جو اس قفل کو کھول سکتی ہے۔

اس موقعہ پر زمانۂ نبوت کے فقر و فاقہ، اور پیٹ پر پتھر باندھے جانے والے واقعات سے صرفِ نظر کر لینا بھی تناسب نہ ہوگا، کیونکہ قرآن مجید۔ جس میں حرمت ربٰو کی آیتیں بھی ہیں اسی زمانہ میں نازل ہو رہا تھا مسلمانوں کا مدینہ طیبہ میں یہودی دولت مندوں اور مہاجنوں سے قریبی تعلق تھا، مگر کیا کبھی (بلاسودی قرضہ کے علاوہ) افلاس، اور فاقوں کے علاج کے لئے سودی قرض کی بات سوچی بھی گئی ہے؟۔

؎۱ ردالمحتار ص ۷ ج ۲ ؎۲ حموی ص ۱۲۸

؎۳ حموی ص ۱۲۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں سودی قرض کے جواز کو "دارالحرب" کے مسئلہ کی آڑ لے کر بھی حل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مگر قطع نظر اس کے کہ آج کی کسی ریاست کو اصطلاحی دارالحرب کہنا ممکن بھی ہے یا نہیں، اور جواز و عدم جواز میں فقہاء کے کیا کیا اختلافات ہیں، نیز اس کی اباحت کے لئے کیا کیا شرطیں اور پابندیاں ہیں۔ اس مسئلہ کا سہارا لیتے ہوئے غالباً یہ بات فراموش کردی جاتی ہے کہ مسلمانوں کو دارالحرب میں صرف سود لینے کی اجازت دی گئی ہے، سود دینے کی نہیں۔ جیسا کہ محقق ابن ہمامؒ نے دیگر فقہاء نے تصریح کی ہے، دیکھئے محقق فرماتے ہیں:۔

وقد التزم الاصحاب فی الدرس ان مرادهم من حل الربوٰ والقمار ما اذا حصلت الزیادة للمسلم نظراً الی العلة[1] شامی فقیہ ابن عابدین رحمۃ اللہ نے سیر کبیر و دیگر کتب معتبرہ کے حوالے سے اس امر کو پوری طرح منقح کر کے پیش کیا ہے اور ان جملوں پر اپنا کلام ختم کیا ہے:۔ فعلم ان المراد من الربوٰ والقمار فی کلامهم ما کان علی هذا الوجه وان کان اللفظ عاماً لان الحکم یدور مع علته غالباً[2]

ایک ضروری بات جس کی طرف حکیم الامۃ حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے توجہ دلائی ہے۔ اسے بیان کئے بغیر آگے بڑھنا شائد کتمان حق کے برابر سنگین چیز ہو۔

علوم اشرف کے گنج گراں مایہ "بوادر النوادر" (ص ۲۷۶) میں ہے۔

"آیات تحریم ربٰو میں ارشاد ہے۔ یایها الذین آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقی من الربٰو ان کنتم مؤمنین۔ اور ظاہر ہے اس بقیہ ربا کا معاملہ جس وقت ہوا ہے، لینے دینے والے سب حربی تھے۔ تو اگر تحریم کے بعد حربی سے ایسا معاملہ جائز ہوتا تو تحریم کے قبل بدرجہ اولیٰ جائز ہوتا، اور وہ رقم حلال ہوتی تو اس کا ترک کرنا کیوں فرض ہے؟

---

[1] فتح القدیر ص ۳۰۱ ج ۵ [2] رد المحتار ص ۱۸۸ ج ۴ (مکتبہ نعمانیہ دیوبند)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکومت سے سود پر قرض لینے کی گنجائش کے لئے، زیلعیؒ شارح کنز کے حسب ذیل قول کو بھی بطور دلیل استعمال کیا جانا مستبعد نہیں ہے، اور غالباً یہ آخری سہارا ہوگا جو اسی باب میں فقہاء کے کلام سے مل سکتا ہے، اور ایک درجہ میں مفید مطلب ہونے کا امکان متصور ہوتا ہے۔ زیلعیؒ کا قول ہے: "لا ربوٰ بین متفاوضین وشریکی عنان اذا تبایعا من مالہما ای مال الشرکۃ" [۱]

اس قول سے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ حکومت کے خزانہ میں جمع شدہ رقم گویا سب کی ملکیت ہے اس طرح تمام اہل ملک اس میں شریک ہیں۔ دریں صورت حکومت سے سودی لین، دین کا معاملہ کرنا، دو شریکوں کے درمیان معاملہ کرنے کے برابر ہوگا۔

لیکن اس استدلال کی حقیقت مغالطہ سے زیادہ نہیں، کیوں کہ مالِ شرکت کے ذریعہ مشترک رأس المال میں کمی بیشی کرنا، (چاہے وہ کسی ایک شریک کی طرف منسوب ہی کیوں نہ ہو) درحقیقت کمی بیشی ہے ہی نہیں بلکہ شرکت کے مال کو اضافہ کے ساتھ واپس کرنا گویا اپنی ایک جیب سے نکال کر دوسری جیب میں رقم بڑھا کر رکھ دینے کے برابر ہے۔ ابن عابدینؒ کی تشریح کے بعد اس دلیل کے تار و پود بکھر جاتے ہیں، دیکھئے کیا فرماتے ہیں:

(قولہ اذا تبایعا من مال الشرکۃ) الظاہر ان المراد اذا کان کل من البدلین من مال الشرکۃ، اما لو اشتری احدہما درہمین من مال الشرکۃ بدرہم من مالہ .... ھو عین الربوٰ [۲]

ہاں! بعض لوگ اس مسئلہ کے ایک اور پہلو کی نشاندہی کرتے ہیں، غور کرتے وقت اس پہلو کو بھی سامنے رکھنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ممکن ہے کہ اس سے مسئلہ کو سمجھنے اور حل کرنے میں مدد ملے۔

---

[۱] رد المحتار ص ۱۸۸ ج ۴ (مکتبۂ نعمانیہ دیوبند)

[۲] رد المحتار ص ۱۸۸ ج ۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ یہ کہ حکومت کی طرف سے اہلِ ملک کو دی جانے والی رقم (اس کا نام یا عنوان خواہ جو کچھ اختیار کیا جائے) کیا واقعی قرض ہے؟ اور پھر اس کی مع شئ زائد واپسی کیا قرض مع سود ادائیگی ہے؟ یا وہ اصلاً امداد ہے، جسے مختلف مصالح کی بنا پر "قرض" کا نام دے دیا گیا ہے، واپسی کے وقت "انٹرسٹ" کے نام سے معمولی اضافہ کی شرط بھی مصلحتاً ہی لگا دی گئی ہے، مثلاً ایک مصلحت یہ ہو سکتی ہے کہ محض "امداد" کے عنوان سے کسی کو کچھ دینا، نفسیاتی طور پر جو اثرات مرتب کرتا ہے قرض کے وہ اثرات نہیں ہوتے۔ اسی طرح امدادی رقم کی واپسی کے وقت برائے نام اضافہ کی شرط لگانے کا ایک سبب، بلا شدید ضرورت کے قرض لینے والوں کی حوصلہ شکنی کرنا ہو سکتا ہے، دوسرا سبب جو نسبتاً اہم ہے، اس سلسلہ کے اخراجات پورے کرنا ہوں کہ آج کل نظام ہائے حکومت میں اہل ملک کو ضروریات زندگی فراہم کرنے بلکہ اب تو معیار زندگی بڑھانے کے لئے بھی قرضے دینا ریاست کی ذمہ داری اور اس کے اہم مقاصد میں داخل ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے نظم میں، اور اس سلسلہ میں دوسرے کاموں پر اخراجات کا ہونا ناگزیر ہے۔

علاوہ ازیں یہ کہ حکومت، نہ صرف انٹرسٹ کے نام سے وصول کی گئی رقم، بلکہ راس المال بھی دوسرے ضرورتمندوں کو امدادِ محض کے طور پر دیتی، یا ان کو قرض دینے میں لگاتی، نیز دیگر رفاہِ عام کے کاموں میں صرف کر دیتی ہے جس کا فائدہ اس "سود" دینے والے کو بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ پہنچتا ہے۔ اس طرح اس کی یہ زائد رقم گویا اسے واپس مل جاتی اور حق بحقدار رسید کی مثل صادق آجاتی ہے۔

بہرحال اگر علمی و فقہی بنیادوں پر اس پہلو کا استوار کیا جانا، ممکن ہو اس طور پر کہ اس کے نتیجہ میں قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے نصاً یا اجتہاداً "ربٰو" کا جو مصداق معلوم ہوتا ہے، یہ صورت اس سے خارج ہو جائے تو فبہا ونعمت!

یہاں اس گوشہ پر بھی نظر رہنی چاہئے کہ آج کل کے رائج اقتصادی نظام میں سود آب و ہوا کی طرح سرایت کئے ہوئے ہے، اور اس کے اثرات سے زندگی کا کوئی شعبہ متاثر ہوئے بغیر نہیں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہ سکتا تو کیا اس ابتلائے عام کی بنا پر "عموم بلویٰ" جیسی دلیل بھی کارآمد ہو سکتی ہے؟

آخر میں حضرت تھانوی قدس سرہ ـــ جن کی فقہی بصیرت اور دقتِ نظر مسلم ہے، ان کے الفاظ میں ایک اہم اصولی بات کا پیش کر دینا مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ اس جیسے تمام مسائل حل کرتے وقت اس کو راہنما بنایا جا سکے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ضرورت عرفی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تحصیل منفعت، خواہ دینی ہو یا دنیوی، خواہ اپنی یا غیر کی؛ دوسری دفع مضرت، اسی تعمیم کے ساتھ، سو تحصیلِ منفعت کے لئے ایسے افعال کی اجازت نہیں۔ مثلاً محض تحصیل قوت و لذت کے لئے دوائے حرام کا استعمال ـــ اور دفع مضرت کے لئے اجازت ہے۔ جب کہ وہ قواعد صحیحہ منصوصہ، یا اجتہادیہ سے معتد بہا ہو۔ اور شرعی ضرورت یہی ہے۔ مثلاً دفع مرض کے لئے دوائے حرام کا استعمال جب کہ دوسری دوا کا نافع نہ ہونا تجربہ سے ثابت ہو گیا ہو کیوں کہ بدوں اس کے ضرورت ہی کا تحقق نہیں ہوتا

(بوادر النوادر ص ۷۹۶)

حضرات! ان معروضات کے بعد آپ سے توقع ہے کہ فیصلہ کن راہنمائی فرمائیں گے، اور شکریہ کا موقعہ دیں گے۔

"تفسیر ماجد"

از مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی

یہ تفسیر عصر جدید کے تعلیم یافتہ اور نوجوان مسلمانوں کے لئے جو نئے افکار کی پریشان خاطری اور پراگندہ ذہنی کا شکار رہیں۔ ان کے لئے اس تفسیر میں بہت کچھ سامان راحت و تسکین ہے۔

جلد اول سورۂ فاتحہ سے سورہ آل عمران تک
ہدیہ ۱۸ روپے

جلد دوم سورۃ النساء سے سورہ توبہ تک
ہدیہ ۱۵ روپے

مکتبہ برہان - جامع مسجد دہلی - ۶

© rasailojaraid.com